سلسلۂ رسائل سیرت

۸

غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

طبع اول ۱۴۳۷ھ — ۲۰۱۶ء

کتاب	:	غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا سلوک
مؤلف	:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات	:	۲۸
کمپیوٹر کتابت	:	محمد نصیر عالم سبیلی فون نمبر : +91 9959897621 (العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، بارکس، حیدرآباد)
سن طباعت	:	۱۲/ جمادی الاول ۱۴۳۷ھ، مطابق: ۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء

ناشر : المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ملنے کے پتے

- المعہد العالی الاسلامی، شاہین نگر، حیدرآباد۔
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور یوپی۔
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس پرانی حویلی، حیدرآباد۔
- العالم اُردو کمپیوٹرس، کوتہ پیٹ، حیدرآباد۔

پیش لفظ

قرآن مجید نے اپنے لانے والے کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں، نہ آپ کی رحمت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ عربوں کے ساتھ، نہ کسی خاص رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ؛ یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت بنی نوع انسان تک بھی محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ نے دوسری مخلوقات کے ساتھ بھی رحم وکرم کی تعلیم دی ہے؛ مگر افسوس کہ غیر مسلم بھائی سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ صرف مسلمانوں کے پیغمبر اور محسن ہیں، مغربی مصنفین اگر بہت مہربان ہوں تو زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ کو عربوں کا نبی قرار دیتے ہیں۔

اسی پس منظر میں سہ روزہ بین الاقوامی سیرت نبوی سیمینار — جو ۱۲-۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق: ۲۱-۲۳ / فروری ۲۰۱۶ء کو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں منعقد ہورہا ہے — کی مناسبت سے ۱۶ / رسائل کی ترتیب کا منصوبہ بنایا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر رحمۃ للعالمینی کو پیش کیا جائے اور برادرانِ وطن کے درمیان آپ ﷺ کا صحیح تعارف کرایا جائے، کوشش کی گئی ہے کہ یہ رسائل مختصر ہوں، زبان آسان ہو اور ہر بات معتبر حوالہ سے کہی جائے، انشاء اللہ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ تک کوشش کی جائے گی کہ انگریزی اور ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوجائے اور اسے بڑی تعداد میں برادرانِ وطن تک پہنچایا جائے۔

اسی سلسلہ کا ایک حصہ یہ رسالہ ''غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا سلوک'' ہے، جس کو اس حقیر نے مرتب کیا ہے، اس کا مقصد غیر مسلم بھائیوں کے لئے آپ ﷺ کے ان ارشادات کو پیش کرنا ہے، جن میں اخلاق ومحبت کی تعلیم اور شائستہ زندگی کے لئے بہترین ہدایت ورہنمائی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اس کے مقصد کے اعتبار سے مفید بنائے اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف کی جو ذمہ داری اس اُمت پر ہے، اس کا کوئی حصہ اس کوشش کے ذریعہ ادا ہوسکے، ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم۔

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ	**خالد سیف اللہ رحمانی**
۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء	(خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

○ ○ ○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ربط وتعلق کے سلسلہ میں اسلام نے دو بنیادی تصور دیا ہے، ایک یہ کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۔ (۱)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبائل اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو: ''کلکم من آدم و آدم من تراب''۔(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں اپنی تعلیمات کا خلاصہ دو جملوں میں پیش فرمایا: ''إن الٰھکم واحد وإن اباکم واحد''(۳) یقیناً تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارے باپ بھی ایک ہی ہیں، تمام انسانوں کی ایک ماں باپ سے پیدائش کے تصور سے دوسرا تصور انسانی اُخوت کا پیدا ہوتا ہے کہ تمام انسان، چاہے وہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کسی خاندان سے ان کا تعلق ہو، کالے ہوں یا گورے، سب بھائی بھائی ہیں؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقعہ پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام بنی آدم بھائی بھائی ہیں، (۴) — دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان بحیثیت انسان قابل احترام ہے، اور دنیا کی جو بے شمار نعمتیں ہیں، چاہے ان کا تعلق خشکی سے ہو یا سمندر سے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بھی پاک غذائیں پیدا کی ہیں، ان سب میں تمام انسانوں کا حق ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہیں :

---

(۱) الحجرات:۱۳۔
(۲) مجمع الزوائد، حدیث نمبر:۱۳۰۸۹۔
(۳) کنز العمال، حدیث نمبر:۵۶۵۲۔
(۴) ابوداؤد، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۱۵۱۰۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ـ (۱)

ہم نے بنی آدم کو باعزت بنایا ہے، ہم نے ان کو خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا ہے اور انھیں پاکیزہ روزی عطا کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے مختلف ارشادات میں انسان کی فطری شرافت و وقار کا ذکر فرمایا ہے، (۲) گویا اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم، وہ انسان ہونے کی حیثیت سے قابل احترام اور باعزت ہے اور کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو وسائل رکھے ہیں، ان پر صرف مسلمانوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ تمام انسانوں کا حق ہے۔

یہ دو بنیادی اُصول ہیں، جن پر اسلامی نقطۂ نظر سے مسلم وغیر مسلم تعلقات کی بنیاد ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخلاق واُصول کے ذریعہ اس کے عملی نمونے پیش کئے ہیں۔

اکرام واحترام

رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کے ساتھ ہمیشہ باہمی احترام واکرام کا معاملہ فرماتے تھے، آپ نے متعدد غیر مسلم بادشاہوں اور سرداروں کو خطوط لکھے اور انھیں اسی لقب سے مخاطب کیا، جس لقب سے ان کی رعایا ان کا ذکر کیا کرتی تھی، جیسے روم کے بادشاہ ہرقل کے لئے 'عظیم الروم' ایران کے بادشاہ کسریٰ کے لئے 'عظیم الفارس' اور حبش کے بادشاہ نجاشی کے لئے 'عظیم الحبش' (۳) عظیم سے مراد عظمت والی شخصیت، باعزت ہستی، ظاہر ہے کہ اس میں مخاطب کا احترام ہے، ابوجہل آپ کا بدترین دشمن تھا، اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے اور بُرا بھلا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ چوں کہ اس کے اندر فیصلہ کرنے اور لوگوں کے معاملات کو حل کرنے کی خاص صلاحیت تھی؛ اس لئے اہل مکہ اس کو 'ابوالحکم' کہتے تھے، آپ ﷺ نے بھی اس کو ابوالحکم کے لفظ ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ (۴)

---

(۱) بنی اسرائیل: ۷۰۔ (۲) کنزالعمال، حدیث نمبر: ۳۴۶۲۱۔

(۳) بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر: ۱، کنزالعمال، حدیث نمبر: ۱۱۳۰۲، نصب الرایہ: ۴/۵۰۰۔

(۴) سیرت ابن ہشام: ۱/۳۸۹۔

ابوسفیان ایمان نہیں لائے تھے اور وہ اہل مکہ کے سردار تھے، جب مکہ فتح ہوا اور حضور نے عمومی معافی کا اعلان فرمایا تو آپ نے کہا: جو لوگ اپنے گھر میں داخل ہوجائیں، ان کے لئے امن ہے: ''من دخل دارہ فھو اٰمن'' آپ کے اس ارشاد میں ابوسفیان کا گھر بھی داخل تھا؛ لیکن ابوسفیان کے اعزاز واکرام کے لئے آپ ﷺ کے خصوصی طور پر اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے، اس کے لئے امن ہے: ''من دخل دار ابی سفیان فھو آمن''۔(۱)

آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرنے سے پہلے چاہا کہ کعبۃ اللہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع مل جائے، کعبہ کی کنجی قبیلہ بنوشیبہ کے پاس رہا کرتی تھی اور اس وقت یہ کنجی اس قبیلہ کے ایک شخص عثمان بن طلحہ شیبی کے پاس تھی، کسی شخص کے پاس کعبۃ اللہ کی کنجی کا ہونا اس کے لئے بہت اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنوہاشم کے لوگ چاہتے تھے کہ کنجی انھیں مل جائے؛ تاکہ ان کے اعزاز میں اضافہ ہو، ان کی طرف سے حضرت علیؓ ــــ جو آپ کے چچازاد بھائی بھی تھے اور داماد بھی ــــ نے درخواست کی کہ کلیدِ کعبہ بھی ہمیں دے دی جائے؛ تاکہ کعبۃ اللہ کی خدمت ''سقایہ'' (پانی پلائی) تو پہلے سے بنوہاشم کے پاس ہے، یہ دوسرا اعزاز 'حجابہ' (کلید برداری) بھی بنوہاشم کو مل جائے، جب آپ ﷺ کعبۃ اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے عثمان شیبی کو طلب کیا اور انھیں یہ کہتے ہوئے کنجی واپس فرمادی کہ آج کا دن حسن سلوک کا اور عہد کو نباہنے کا دن ہے،(۲) یہ عربوں کے معاشرہ میں غیر معمولی اعزاز کی بات تھی اور اس اعزاز واکرام کا معاملہ آپ نے ایک ایسے شخص کے ساتھ فرمایا، جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اور جنھوں نے آپ کو آپ کی خواہش کے باوجود کعبہ میں دو رکعت نماز تک پڑھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔(۳)

آپ ﷺ نے زندگی میں ہی نہیں؛ بلکہ مرنے کے بعد بھی اس تکریم واحترام کو پیش نظر رکھا؛ چنانچہ حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ دونوں قادسیہ (ایران کے مقام کا نام) ــــ میں بیٹھے ہوئے تھے ــــ سامنے سے جنازہ گذرا تو یہ دونوں

(۱) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۷۸۰۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۴۱۲۔

(۳) الخصائص الکبریٰ: ۱/۴۴۶۔

حضرات کھڑے ہو گئے، کہا گیا: یہ کسی مسلمان کا جنازہ نہیں ہے، غیر مسلم کا جنازہ ہے، ان حضرات نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے جنازہ گذرا تو آپ بھی کھڑے ہو گئے تھے، آپ سے عرض کیا گیا تھا: یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا؟ ''الیست نفساً''۔(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے سے بڑی عمر والوں کی عزت وتوقیر کا حکم دیا ہے،(۲) اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ

مسلمانوں کے جو غیر مسلم رشتہ دار ہوں، ان کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کی تاکید کی گئی، قرآن مجید میں بارہ مواقع پر رشتہ وقرابت کا لحاظ رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی،(۳) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اس کو رشتوں کا خیال رکھنا چاہئے،(۴) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو برابر سرابر کا معاملہ کرنے والا ہو، وہ رشتوں کا پاس ولحاظ کرنے والا نہیں؛ بلکہ پاس ولحاظ رکھنے والا وہ ہے کہ جو اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہیں کرے، وہ اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کرے۔(۵)

صلہ رحمی کی بنیاد مذہب پر نہیں ہوتی، رشتہ وقرابت پر ہوتی ہے، رشتہ دار چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، آپ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر جو آپ ﷺ کی نسبتی ہمشیرہ تھیں، ان کی والدہ ان کے پاس مدینہ آئیں، حضرت اسماء نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں ان کو کچھ دے سکتی ہوں؛ حالاں کہ ابھی وہ مشرک تھیں، تو آپ نے ان کے

---

(۱) بخاری، کتاب الجنائز حدیث نمبر: ۱۲۵۰، مسلم، کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ، حدیث نمبر: ۹۶۱۔

(۲) ترمذی، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۱۹۲۱۔

(۳) ترمذی، عن سلیمان بن عامر، حدیث نمبر: ۶۱۸۔

(۴) بخاری، عن انس، حدیث نمبر: ۹۹۱۔

(۵) بخاری، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، حدیث نمبر: ۵۹۴۶۔

ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا،(۱) اسی طرح مختلف صحابہ کے والدین یا ماں باپ میں سے کوئی ایک غیر مسلم تھے، جیسے حضرت ابوبکرؓ کے والد حضرت قحافہ مکہ فتح ہونے تک مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے، حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو بُرا بھلا کہتی تھیں، پھر بھی آپ ان کو اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے تھے،(۲) اسی طرح کا معاملہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کا بھی تھا، آپ نے ان کے ساتھ بھی بہتر سلوک جاری رکھنے کی تلقین فرمائی، مدینہ کے کئی انصاری صحابی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کی مالی مدد کیا کرتے تھے، اِن مسلمانوں نے اپنے اُن رشتہ داروں کو اسلام لانے کی دعوت دی، مگر وہ مسلمان ہونے کو تیار نہیں ہوئے، تو انھوں نے ان کی مدد روک دی، ان کے اس طرز عمل کو قرآن نے منع کیا،(۳) کہ ان کی ہدایت تمہارے ذمہ نہیں ہے، اللہ جس کو چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں: ''لیس علیک ھداھم ولکن اللہ یھدی من یشاء''(۴) حضرت ابوطالب ایمان نہیں لائے؛ لیکن آپ ﷺ ان کی مدد کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کی پرورش کا ذمہ آپ نے قبول فرمالیا اور آپ ہی کی توجہ دہانی پر ان کے ایک اور صاحبزادہ حضرت عقیلؓ کی پرورش کی ذمہ داری حضرت عباسؓ نے قبول فرمائی، اہل مکہ قریب قریب سبھی آپ کے رشتہ دار تھے اور آپ ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا خیال رکھتے تھے؛ چنانچہ — جیسا کہ آگے آرہا ہے — جب مکہ میں شدید قحط پڑا تو آپ ﷺ نے ان کا خطیر مالی تعاون فرمایا۔

غیر مسلم پڑوسی

جیسے رشتہ داری کا تعلق ایک قریبی تعلق ہوتا ہے، اسی طرح کا تعلق پڑوس کا ہے، قرآن مجید میں دو طرح کے پڑوسیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک: رشتہ دار پڑوسی، دوسرے: اجنبی پڑوسی،(۵)

---

(۱) بخاری، کتاب الجزیہ، حدیث نمبر: ۳۰۱۲۔

(۲) الدرالمنثور: ۶/۵۲۱۔

(۳) تفسیر قرطبی: ۳/۳۳۷۔

(۴) البقرۃ: ۲۷۲۔

(۵) النساء: ۳۶۔

جس کو'الجار الجنب' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، بعض مفسرین نے تو اس سے خاص طور پر غیر مسلم پڑوسی ہی مراد لیا ہے، (۱) اور ان دونوں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی — آپ نے فرمایا: وہ شخص صاحب ایمان نہیں — جس کا پڑوسی اس کے شر سے مطمئن نہ ہو، یہ بات آپ نے تین بار قسم کھا کر ارشاد فرمائی، (۲) پڑوسی سے مراد وہ شخص ہے جس کا مکان اس کے مکان سے قریب ہو، اس میں آپ نے مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ کی ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے صحابہ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا خاص خیال رکھتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے یہاں ایک بکری ذبح کی گئی، جب وہ گھر تشریف لے گئے تو دریافت کیا: کیا میرے فلاں یہودی پڑوسی کو گوشت بھیجا گیا؟ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمایا کرتے تھے، (۳) پڑوسی کی ایک اور قسم ''وقتی پڑوسی'' کی ہے، جیسے: ٹرین یا ہوائی جہاز یا بس کا ساتھی، اس کو قرآن مجید کی اس آیت میں ''صاحب الجنب'' کہا گیا ہے، اور ان سے اچھے سلوک اور بہتر برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے، اس حکم میں بھی مسلمان وغیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

خوشی وغم میں شرکت

ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلق کا تقاضا ہے کہ خوشی وغم میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں، رسول اللہ ﷺ اس کا بھی خیال رکھتے تھے، اگر کوئی غیر مسلم بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کیا کرتے تھے، ایک یہودی نوجوان جو آپ کے ساتھ آمد ورفت رکھتا تھا اور محبت کے ساتھ آپ کی خدمت بھی کیا کرتا تھا، بیمار پڑ گیا تو آپ نے اس کی عیادت فرمائی، (۴) غیر مسلم اہل تعلق کی آخری رسومات میں بھی آپ نے شرکت فرمائی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوطالب کے جلوس جنازہ میں آپ تشریف لے گئے اور مقام تدفین تک پہنچے، (۵) اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ کو

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، آیت مذکورہ۔

(۲) بخاری، عن ابی شریح، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۶۷۰، حدیث نمبر: ۶۰۱۶۔

(۳) ابوداؤد، عن ابن عمر، کتاب الادب، باب فی حق الجوار، حدیث نمبر: ۵۱۵۴۔

(۴) صحیح بخاری، باب عیادۃ المشرک، حدیث نمبر: ۵۶۵۷۔

(۵) سنن بیہقی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۶۴۵۹۔

اپنے والد ابوطالب کی تجہیز وتکفین کا حکم دیا، جو مسلمان نہیں ہوئے تھے، (۱) آپ کی ان ہی تعلیمات کا اثر تھا کہ آپ کے رفقاء بھی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے جلوس جنازہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔

تعزیت کے معنی پرسہ دینے کے ہیں، اس کی بھی اجازت ہے، اگرچہ آپ ﷺ کا صریح عمل اس سلسلہ میں منقول نہیں ہے؛ لیکن آپ نے عمومی طور پر غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، اس کی روشنی میں شریعت اسلامی کی شارحین نے غیر مسلم بھائیوں کی تعزیت کرنے کی تلقین ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مریضوں کی عیادت کیا کرو، جو مریض کی عیادت کرتا ہے، وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں رہتا ہے، (۲) اس ہدایت میں آپ نے مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں کیا، عیادت کا یہ حکم تمام مریضوں کے لئے ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے مصیبت زدہ لوگوں کی دلداری اور ان کی خبر گیری کی تلقین فرمائی: ''**من عزی مصاباً فلہ مثل اجرہ**'' (۳) یہاں بھی آپ نے پرسہ دینے اور تعزیت کرنے میں مسلمان اور غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا؛ اس لئے یہ احکام تمام لوگوں کے لئے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

ایفاء عہد

اخلاقی نقطۂ نظر سے جو احکام آپ ﷺ نے دیئے ہیں، وہ عام ہیں اور اس میں مسلمان وغیر مسلم دونوں شامل ہیں، مثلاً شریعت کا ایک اہم حکم ہے: وعدہ کو پورا کرنا، تو جیسے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ضروری ہے اور وعدہ خلافی گناہ ہے، اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی وعدہ خلافی گناہ ہے اور وعدہ کو پورا کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس کے واضح نمونے ملتے ہیں، آپ نے ایسے موقع پر بھی ایفاء عہد کا خیال رکھا ہے، جب کہ عام طور پر نہیں رکھا جاتا اور ایسے حالات میں بھی رکھا، جن میں وعدہ کو پورا کرنا مسلمانوں کے لئے نقصان کا سبب بن سکتا تھا،

---

(۱) اعلاء السنن: ۸/۲۴۲، باب ما یفعل المسلم، اذ مات لہ قریب کافر۔

(۲) مسلم، باب فضل عیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۲۵۶۸۔

(۳) ترمذی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۰۷۳۔

اس کی دومثالیں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے،غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی ، مکہ کے مشرکین جوحملہ آور تھے، وہ تقریباً ایک ہزار تھے، ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ایک ایک فرد کی اہمیت تھی ، جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اوران کے والد حضرت حُسَیل دشمنوں کی فوج کے پیچھے کی طرف سے آرہے تھے؛ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں، اہل مکہ کواس کا اندازہ ہوگیا، انھوں نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوں گے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اوران کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوجائیں؛لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاہے جوبھی ہو، معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے ؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو جہاد میں شریک نہیں فرمایا۔(۱)

اس کی دوسری مثال صلح حدیبیہ ہے، صلح حدیبیہ میں یہ بات طے پائی تھی کہ مکہ سے جولوگ مسلمان ہوکر مدینہ جائیں گے، مسلمان انھیں واپس کردیں گے، ابھی یہ معاہدہ طے ہی پارہا تھا کہ حضرت ابوجندلؓ پابہ زنجیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کو اپنے ساتھ لے چلیں، مسلمان بھی ان کی حالت دیکھ کراور فریاد سن کر بے چین ہوگئے اور آپ نے اپنے ذاتی تعلق کا حوالہ دے کر سہیل بن عمرو کو راضی کرنے کی پوری کوشش کی ؛لیکن وہ تیار نہیں ہوا؛ چنانچہ آپ نے ان کو واپس کردیا اور فرمایا کہ اللہ ہی ان کے لئے کوئی راستہ نکالیں گے۔(۲)

دعوت دینا اور قبول کرنا

سماجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کا ایک مظہر دعوت دینا اور دعوت قبول کرنا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کو مدعو کیا کرتے تھے، جب آپ اللہ کے نبی بنائے گئے تو آپ نے بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا اور تمام لوگوں کو جمع فرمایا، ان کی تعداد تیس نقل کی گئی ہے، کھانا کھلانے کے بعد آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف پیش فرمایا۔(۳)

---

(۱) صحیح مسلم، باب الوفاء بالعهد، حدیث نمبر: ۱۷۸۷۔
(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۰۲۔
(۳) البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۰۔

اسی طرح ۷ ہجری میں آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء فرمایا اور اسی موقع پر اُم المومنین حضرت میمونہؓ سے آپ کا نکاح ہوا، آپ نے ولیمہ میں اہل مکہ کو مدعو کیا؛ لیکن انھوں نے دعوت قبول نہیں کی۔(۱)

اسی طرح آپ ﷺ نے مہمان نوازی کی ترغیب دی ہے اور مہمانوں کا اکرام کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، آپ کے پاس مختلف قبائل کے سردار اور وفود آیا کرتے تھے اور آپ ان کی ضیافت فرمایا کرتے تھے، بدر کی لڑائی میں جو لوگ قید کئے گئے؛ حالاں کہ وہ حملہ آور تھے؛ لیکن آپ نے اپنے رفقاء کو ترغیب دی کہ ان کے کھانے پینے کا بہتر انتظام کریں؛ اسی لئے بہت سے صحابہ خود معمولی کھانا کھا کر ان کو بہتر کھانا کھلایا کرتے تھے۔(۲)

آپ ﷺ غیر مسلم بھائیوں کی دعوت قبول بھی فرمایا کرتے تھے، اسی طرح کے ایک واقعہ میں ایک یہودی خاتون نے آپ ﷺ کو مدعو کیا، اور بکرے کے دست کے حصہ — جس کا گوشت آپ ﷺ کو زیادہ مرغوب تھا — میں زہر ملا دیا، جس کی تکلیف کا اثر آپ کو مرض وفات تک رہا۔(۳)

سلام

رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جو جملہ مقرر کیا ہے، وہ ہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' (تم پر سلامتی ہو یعنی تم محفوظ رہو، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں) — سلامتی کے معنی ہیں محفوظ رہنا، اس میں ہر طرح کی سلامتی شامل ہے، گناہوں سے، بیماریوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے، رحمت میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں شامل ہیں، مال واولاد، اور آخرت کی نجات، برکت سے مراد یہ ہے کہ جو نعمتیں حاصل ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں اور زیادہ دنوں تک باقی رہیں، غرض کہ یہ ایک دُعاء ہے اور دُعاء مسلمان کے لئے بھی

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۷۲۔

(۲) مجمع الزوائد: ۶/ ۱۱۵، حدیث نمبر: ۱۰۰۰۷۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۴۵۲۔

جائز ہے اور غیر مسلم کے لئے بھی؛ اس لئے غیر مسلم کو بھی سلام کرنا جائز ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد مسلمان نہیں تھے؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سلام کیا، خود قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے: ''قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ'' (۱) رسول اللہ ﷺ نے ایسے مجمع کو سلام فرمایا ہے، جس میں مسلمان بھی تھے، مشرکین بھی اور یہودی بھی، (۲) اور جب کسی مجمع کو سلام کیا جاتا ہے، اور سلام کرنے والے نے کسی کی تخصیص نہیں کی ہو تو سبھی حضرات مخاطب ہوتے ہیں۔

مدینہ کے یہودی جب رسول اللہ ﷺ سے یا مسلمانوں سے ملتے تو زبان دبا کر 'السام علیکم' کہتے، یعنی سننے والے کو تو محسوس ہوتا کہ وہ سلام کر رہے ہیں؛ لیکن حقیقت میں وہ اس کی بجائے 'السام علیکم' کہا کرتے تھے، جس کے معنی ہیں: ''تم پر موت آجائے'' ان کی اس شرارت کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کو سلام نہ کیا کرو اور اگر وہ 'السام علیکم' کہیں تو صرف 'وعلیکم' کہہ دو، یعنی تمہارے ہی ساتھ ایسا ہو، (۳) —— یہ ممانعت خاص طور پر ان یہودیوں کے لئے تھی، جو 'السام علیکم' کے لفظ کا غلط استعمال کیا کرتے تھے، عام غیر مسلم حضرات کو سلام کرنے کی یا ان کے سلام کا جواب دینے کی ممانعت نہیں۔

تحفہ کا لین دین

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور کدورتیں دُور ہوتی ہیں، (۴) اس میں آپ ﷺ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے؛ بلکہ عمومی طور پر ہدیہ دینے کی ترغیب دی ہے، حضرت عمرؓ کو آپ ﷺ نے ایک حلہ (دو چادروں کا لباس) عطا فرمایا، جس کو آپ نے خود اپنے لئے اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے پسند نہیں فرمایا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: جب آپ ﷺ نے اس کو اپنے لئے پسند نہیں کیا تو مجھے کیوں عنایت فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ تم کو اس لئے نہیں دیا ہے کہ تم خود استعمال کرو؛

---

(۱) مریم: ۴۷۔ (۲) صحیح بخاری، باب التسلیم فی مجلس فیہ، حدیث نمبر: ۵۸۹۹۔

(۳) بخاری، باب کیف الرد علی اہل الذمہ بالسلام؟ حدیث نمبر: ۵۹۰۲۔

(۴) معجم کبیر للطبرانی: ۲۵/ ۱۶۲، حدیث نمبر: ۳۱۳، عن اُم حکیم۔

بلکہ تم اسے بیچ دو یا کسی اور کو دے دو، حضرت عمرؓ کے ایک بھائی ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مکہ میں مقیم تھے، آپ نے ان کو عنایت فرمادیا۔(۱)

اہل مکہ نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی؛ لیکن جب مکہ میں قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تو آپ نے مکہ کے قحط زدہ غیر مسلموں کے لئے پانچ سو دینار بھیجے؛ حالاں کہ اس وقت مدینہ کے مسلمان خود سخت مالی مشکلات سے دو چار تھے، پانچ سو دینار کی قدر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بیس دینار ساڑھے ستاسی گرام سونے کے برابر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ پانچ سو دینار بہت بڑی رقم ہوئی اور یہ رقم آپ نے سردارانِ قریش ابوسفیان اور صفوان ابن اُمیہ کو بھیجی کہ وہ اسے تقسیم کر دیں، جو اس وقت اہل مکہ کے قائدین تھے اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔(۲)

مکہ سے ایک 'مطربہ' یعنی گانا بجانا کرنے والی عورت مدینہ آئی اور رسول اللہ ﷺ سے مالی مدد کی طلب گار ہوئی، آپ نے خود بھی اس کا تعاون فرمایا اور اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے بھی اس کی مدد کرائی؛ حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھی اور گانا گایا کرتی تھی، جس کو اسلام نے پسند نہیں کیا ہے۔(۳)

اس لئے آپ ﷺ نے رحم اور حسن سلوک کی عمومی تعلیم دی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں پر رحم کرو، جو زمین میں ہیں تو تم پر وہ ذات رحم کرے گی، جو آسمان میں ہے،(۴) ظاہر ہے کہ اس میں مسلمان اور غیر مسلم یہاں تک کہ جانور بھی شامل ہیں، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کی خدمت کرنے میں اجر ہے،(۵) نیز ارشاد ہے: مسلمان درخت لگائے اور اس میں سے کوئی انسان یا جانور کھائے تو اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا: ''فأكل منه انسان او دابة إلا كان له صدقة''(۶) اور اس کے مقابلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص انسان پر مہربانی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اس پر مہربانی نہیں فرمائیں گے: ''لا يرحم الله من لا يرحم الناس''۔(۷)

---

(۱) بخاری، کتاب الہبہ، حدیث نمبر: ۲۴۷۶۔ (۲) ردالمحتار: ۳۰۲/۳، باب المصرف۔
(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۳۹۳۹۔ (۴) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۲۴۔
(۵) بخاری، حدیث نمبر: ۶۰۰۹۔ (۶) مسلم، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث نمبر: ۵۶۶۶۔
(۷) بخاری، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۶۹۴۱۔

جیسے آپ ﷺ نے غیر مسلم حضرات کو تحفے عنایت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح ان کے تحفے قبول بھی کیا کرتے تھے؛ چنانچہ روم کے بادشاہ ہرقل نے آپ کو تحفے بھیجے، جس میں نفیس کپڑا بھی تھا، (۱) اور سونٹھ بھی تھی، (۲) آپ نے ان تحائف کو قبول فرمایا اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں سے عنایت فرمایا، ایک اور سردار اُکَیدِر دُوْمَۃ نے بعض تحائف بھیجے، جن میں کپڑے بھی تھے اور بعض دوسری اشیاء بھی تھیں، آپ نے قبول کیا اور اپنے رفقاء کو بھی اس میں سے عنایت فرمایا، (۳) حضرت علی کی روایت میں شاہ ایران کے بھی تحفہ بھیجنے اور آپ ﷺ کے قبول کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (۴)

جان ومال کا احترام

غیر مسلموں کے جان و مال کے احترام کو آپ ﷺ نے وہی درجہ دیا، جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے، آپ نے اس سلسلہ میں اُصول بیان فرمادیا کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح : ''**دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا**'' (۵) ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ، و إن ريحها يوجد من مسيرة أربعين عاماً ۔ (۶)

جس نے کسی معاہد (وہ غیر مسلم جس سے پر اُمن زندگی گذارنے کا معاہدہ ہو) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا؛ حالاں کہ اس کی بُو چالیس سال کے فاصلہ سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

عہد نبوی میں مسلمان نے ایک غیر مسلم شخص کو قتل کردیا تو وہ مسلمان بھی اس کے قصاص میں قتل کیا گیا، (۷) آپ ﷺ کے اسی اُسوہ کا اثر تھا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابی حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ایک غیر مسلم کے قتل پر یہی حکم جاری کیا، (۸) اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے عہد حکومت میں اسی طرح کا عمل فرمایا۔ (۹)

---

(۱) ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۰۳۹۔ (۲) لابن أبی حاتم، حدیث نمبر: ۹۰۶۔
(۳) مسند احمد، عن انس: ۶-۴-۱۲۲۴۵۔ (۴) ترمذی، باب ماجاء قبول ہدایا المشرکین، حدیث نمبر: ۱۵۷۶۔
(۵) نصب الرایہ: ۳/۳۸۱۔ (۶) بخاری، عن عبداللہ عمرو، حدیث نمبر: ۳۱۶۶۔
(۷) سنن دارقطنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۶۵۔ (۸) سنن بیہقی: ۸/۳۰، حدیث نمبر: ۱۵۷۰۴۔
(۹) سنن بیہقی: ۸/۱۵۷۱۲۔

قاتل پر مقتول کے قتل کے بدلے یا تو قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت ، یعنی خون بہا واجب ہوتی ہے، آپ نے غیر مسلم شخص کے قتل کی وہی دیت رکھی ، جو دیت مسلمانوں کے قتل کی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک غیر مسلم کی وہی دیت ادا کی جو دیت مسلمان کی ہوتی ہے، (۱) اس طرح آپ ﷺ کی نظر میں غیر مسلم کا مال بھی مسلمان ہی کے مال کی طرح قابل احترام ہے، آپ نے ارشاد فرمایا :

الامن ظلم معاهدا او انتقصه أو كلفه فوق طاقته أو اخذ منه شيئاً بغير طيب نفس ، فأنا حجيجه يوم القيامة ـ (۲)

آ گاہ ہوجاؤ! جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا، اس کی حق تلفی کی ، یا اسے اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا، تو میں قیامت کے دن اس کا فریق ہوں گا۔

اور تو اور آپ جنگ کے موقع پر بھی اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ جب دشمن ہتھیار ڈال دیں یا صلح پر راضی ہوجائیں تو ان کی املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے ، فتح خیبر کے موقع سے بعض مسلمان فوجیوں نے یہودیوں کے جانور ذبح کر دیئے اور کچھ پھل کھا لئے ، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے اس عمل پر ناگواری ظاہر کی اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے، (۳) یہودیوں کے پاس ایک کنواں 'بیئر روما' نام کا تھا، جس سے پینے کا پانی حاصل ہوا کرتا تھا، جس سے تمام لوگ پانی لیا کرتے تھے ، وہ یہودی مسلمانوں سے پانی روک لیا کرتا تھا؛ حالاں کہ آپ اس کو سلطنت کی عمومی مصلحت کے لئے عوامی مفاد کے پیش نظر بحق حکومت ضبط کر سکتے تھے ؛ لیکن آپ ﷺ نے ایک مالدار مسلمان ساتھی حضرت عثمانؓ سے خواہش کی کہ وہ اس کو خرید کرلیں ، انھوں نے بارہ ہزار درہم میں کنویں کا آدھا حصہ خرید کرلیا اور اس کو عام نفع کے لئے وقف کر دیا۔ (۴)

---

(۱) دارقطنی، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۹۔
(۲) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۳۔
(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۰۵۰۔
(۴) زادالمعاد: ۵ / ۲۱۳-۲۱۴۔

کاروباری تعلق

تجارتی اور کاروباری تعلق میں آپ ﷺ نے مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی، ابوسفیان اور جُبَیر بن مُطعِم مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس وقت بھی آپ ان کو اپنا سرمایہ تجارت کے لئے دیا کرتے تھے کہ وہ اسے تجارت میں لگائیں، اور جو نفع ہو، اس میں آپ کو بھی شریک کریں، مدینہ کے مسلمانوں کی تجارت عام طور پر یہودیوں خاص کر بنوقینقاع ہی کی مارکٹ میں ہوا کرتی تھی۔

آپ ﷺ غیر مسلموں سے خرید و فروخت بھی فرمایا کرتے تھے، آپ کی وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی؛ کیوں کہ آپ نے ان سے اُدھار تین صاع (عرب کا ایک پیمانہ) جَو خرید فرمائی تھی، (۱) اسی طرح آپ ﷺ غیر مسلم حضرات کو اپنے یہاں ملازم بھی رکھا کرتے تھے، جب آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ کو ایک ایسے قابل اعتماد شخص کی ضرورت تھی، جو ریگستان میں راستہ بتائے، اس خدمت کے انجام دینے والے کو 'دلیل' کہا جاتا تھا، یعنی: راستہ بتانے والا، آپ ﷺ نے اِس اہم اور نازک خدمت کے لئے اُجرت دے کر ایک غیر مسلم کی خدمت حاصل کی ۔(۲)

غرض کہ غیر مسلم حضرات کے ساتھ آپ کا اور آپ کے رفقاء کا ہر طرح کا کاروباری تعلق ہو رہا کرتا تھا۔

عدل وانصاف

پیغمبر اسلام ﷺ نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک بنیادی بات عدل وانصاف کا قیام ہے، اس میں آپ کے نزدیک مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا، آپ ﷺ کے ایک صحابی کا نام ابن ابی حَدْرَدْ اسلمی تھا، ان کے ذمہ ایک یہودی کے چار درہم باقی تھے، یہودی نے حضور ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اس کا حق ادا کردو، انھوں نے عرض کیا: میں ابھی ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں، آپ ﷺ نے پھر دوبارہ فرمایا: ان کو ان کا حق

---

(۱) بخاری، باب ما قیل فی درع النبیؐ إلیٰ آخرہٖ، حدیث نمبر: ۲۷۵۹۔

(۲) احکام اہل الذمہ لابن قیم: ۲۰۷۔

دے دو، انھوں نے عرض کیا: میں ابھی ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے کسی خدمت پر خیبر بھیجیں گے، مجھے اُمید ہے کہ اس وقت آپ کچھ عطا فرمائیں گے تو اس وقت میں ان کو ان کا حق بھی ادا کر دوں گا، آپ نے تیسری بار بھی فرمایا کہ اسے اس کا حق دے دو، رسول اللہ ﷺ جب کسی بات کا حکم تین بارے دے دیتے تھے تو صحابہ خاموش ہو جایا کرتے تھے، ابن ابی حدرد کے سر پر عمامہ تھا اور ایک چادر کو تہبند کے طور پر لپیٹے ہوئے تھے؛ چنانچہ عمامہ کو تہبند بنالیا اور تہبند والی چادر کو بازار میں چار درہم میں فروخت کر کے اور یہودی کا قرض ادا کیا۔(۱)

یہ معاملہ صرف اپنے رفقاء ہی کے حق میں نہیں تھا، خود اپنی ذات کے معاملہ میں بھی آپ عدل کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، اگر کسی شخص کا کوئی حق باقی ہوتا تو آپ اسے تقاضا کرنے کی اجازت دیتے تھے اور اگر وہ اس میں سخت کلامی سے کام لیتا تو اس کو بھی گوارا فرماتے تھے؛ چنانچہ زید بن سَعْنَہ نامی ایک یہودی کا آپ ﷺ پر دین تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام کر کھینچنے لگا اور سخت سست باتیں کہنے لگا: ''اے محمد! تم میرا حق ادا نہیں کرو گے، تم بنی عبد المطلب ہو ہی ٹال مٹول کرنے والے'' حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے کہ اسے دھکا دے کر ہٹا دیں، آپ ﷺ نے منع فرما دیا اور کہا: عمر! مجھے بھی اور اسے بھی تمہارے اس عمل کی بجائے دوسرے عمل کی ضرورت تھی، تم مجھے کہتے کہ میں بہتر طور پر ادا کر دوں، اور اس سے کہتے کہ تم صحیح طریقہ پر تقاضا کرو؛ اس لئے تم جاؤ اس کا حق بھی ادا کرو اور تم نے اس کو جو ڈرایا ہے، اس کے بدلہ بیس صاع کھجور بڑھا کر دے دو، (۲) آپ ﷺ کی اس انصاف پسندی اور حق گوئی سے زید بن سَعْنَہ اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

مذہبی معاملات

نہ صرف سماجی بلکہ مذہبی معاملات میں بھی آپ ﷺ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا پہلو اختیار کرتے تھے اور دوسروں پر ان کی مرضی کے بغیر اسلام کو تھوپنے کے قائل نہیں تھے؛ اس لئے مکہ مکرمہ میں آپ نے اہل مکہ سے یہی خواہش کی کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو نہ کرو؛ لیکن

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۵۲۸، عن ابی حدرد۔

(۲) مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۶۵۷۴۔

اسلام کی دعوت میں رکاوٹ بھی نہ بنو اور سب لوگوں کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے دو، اسی کو قرآن مجید نے فرمایا: ''لکم دینکم و لی دین'' (۱) ہجرت کرکے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ابتدائی مرحلہ میں آپ نے جن کاموں کو انجام دیا، ان میں ایک اہم کام مدینہ کے تمام قبائل — جن میں مسلمان بھی تھے، یہودی بھی اور اکادُکا مشرکین بھی — کے درمیان معاہدۂ امن کرانا تھا، اس معاہدہ کی بنیاد دو باتوں پر تھی، ایک: مشترکہ دفاع، دوسرے: ہر گروہ کی حیثیت کو تسلیم کرنا اور ان کا اپنے مذہبی معاملات میں آزاد ہونا؛ چنانچہ اس معاہدہ کے الفاظ حسبِ ذیل تھے :

> یہودی مسلمانوں کی طرح ایک قوم سمجھی جائے گی، جو کوئی ان سے لڑے، مسلمان ان کے مقابلہ یہود کی مدد کریں گے، مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خیر اندیشی، نفع رسانی، نیکی کے ہوں گے، یہودیوں کے حلیف بھی اس معاہدہ میں اس کے ساتھ شریک ہوں گے، مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔ (۲)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا، آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ کرتے ہوئے ان کے لئے جو دستاویز لکھوائی، وہ حسبِ ذیل ہے :

> اہل نجران کو خدا کی حفاظت اور محمد رسول اللہ کی امان حاصل ہوگی، ان کی جان، مذہب، ملک اور اموال کے متعلق تمام موجود اشخاص اور غیر موجود افراد، اور ان کی قوم، نیز ان کے پیرو اس امان میں شامل ہوں گے، ان کی موجودہ حالت تبدیل نہیں کی جائے گی، ان کے حقوق میں سے کوئی حق بدلا نہ جائے گا اور جو کچھ تھوڑا یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے، اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ (۳)

مذہبی اُمور کی انجام دہی کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی وسیع القلبی کا حال یہ تھا کہ عیسائیوں

---

(۱) کافرون: ٦۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۱/۱۷۸۔

(۳) فتوح البلدان، بلاذری: ۱/۷۷۔

کے اس گروہ نے اپنے طریقے پر اوراپنے قبلہ یعنی مشرق کی طرف رُخ کر کے مسجد ہی میں عبادت کرنی چاہی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا؛ بلکہ انھیں اجازت دی اور اپنے رفقاء سے فرمایا کہ انھیں روکو نہیں۔(۱)

اسی طرح مذہبی مقدس شخصیات کی نسبت سے بھی آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو ان پر ایمان رکھنے والوں کے لئے دل آزاری کا باعث بن جائے، مدینہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک یہودی بازار میں قسم کھا رہا تھا: ''اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں چن لیا ہے، یعنی انھیں تمام انسانیت پر فضیلت عطا کی ہے''مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام انسانوں اور تمام پیغمبروں پر فضیلت عطا کی گئی ہے؛ اس لئے ایک انصاری مسلمان سے یہ بات برداشت نہ ہوسکی، انھوں نے یہودی کو برا بھلا کہا اور مارے غصے کہ اس یہودی کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا، وہ یہودی آپ کی خدمت میں آیا اور ان انصاری کی شکایت کی، آپ نے ان انصاری سے کہا: انبیاء کے درمیان ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصی فضیلت کا ذکر فرمایا جو قیامت کے دن ظاہر ہوگی، (۲) — غرض کہ آپ نے حکمت کے ساتھ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت کا ذکر فرمادیا؛ تاکہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی وجہ سے اس کے ماننے والوں کی دل آزاری نہ ہو اور یہ چیز لوگوں کو مقدس شخصیتوں کی بے احترامی کی طرف نہ لے جائے۔

عفو و درگذر

پیغمبر اسلام ﷺ کا سب سے نمایاں وصف 'عفو و درگذر' تھا، آپ دوستوں کو تو معاف کرتے ہی تھے اور سادہ لوحی یا بھول چوک میں ان کی طرف سے ہونے والے خطاؤں کو نظر انداز فرمادیتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ اپنے بدترین دشمنوں اور ہر طرح کی ایذا پہنچانے والے کو بھی معاف فرمادیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں یہاں چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے :

● مکہ میں سخت قحط پڑا، لوگ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے، یہی لوگ تھے جنھوں نے

---

(۱) البدایہ والنہایہ، لابن کثیر: ۵/ ۵۶۔

(۲) بخاری، عن ابی سعید خدری، کتاب الخصومات، حدیث نمبر: ۲۴۱۲۔

آپ ﷺ کا اور مسلمانوں کا ایسا بائیکاٹ کیا تھا کہ ان پر ایک ایک دانہ روک دینے کی پوری کوشش کی تھی، چار سال تک مسلمان اس تکلیف دہ بائیکاٹ سے گذرے تھے؛ لیکن جب قحط کے موقع سے اہل مکہ نے آپ سے کہا کہ آپ تو قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیا کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے؛ اس لئے آپ اپنے خدا سے اس قحط کو دُور کر دینے کی دُعا فرما دیجئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے دُعا فرمائی اور پھر مکہ میں خوب بارش ہوئی۔(۱)

● مکہ میں نجد کی طرف سے غلہ آیا کرتا تھا، وہاں کے سردار ثُمامہ بن اُثال جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے مکہ کی طرف غلہ کی ترسیل بند کر دی اور کہا: رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ بھی مکہ جانے نہیں دیا جائے گا؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔(۲)

● صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ ﷺ حدیبیہ میں مسلمانوں کو ساتھ لے کر فجر کی نماز ادا کر رہے تھے، ستر اسّی لوگ تنعیم نامی پہاڑی کی طرف سے چھپ کر آ گئے؛ تاکہ نماز کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کر دیں؛ لیکن یہ سب گرفتار کر لئے گئے، آپ ﷺ نے ان کو کوئی سزا دیئے اور کوئی فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا۔(۳)

● ابوجہل آپ کا بدترین دُشمن تھا، ان کے لڑکے عکرمہ کو یہ دُشمنی میراث ملی تھی، فتح مکہ کے موقع سے یہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی اُم حکیم بنت حارث ابوجہل کی بھتیجی تھیں، وہ مسلمان ہو گئیں اور اپنے شوہر کے لئے معافی چاہی، آپ ﷺ نے معاف کر دیا، یہ خود یمن گئیں اور شوہر سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو معاف کر دیا ہے، انھیں بڑا تعجب ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کے جیسے بدترین دُشمن کو کیوں کر معاف کر دیا؟ بہر حال وہ اپنی بیوی کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور ان کو اپنے گلے سے لگا لیا؛ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے غلامانِ محمد میں شامل ہو گئے۔(۴)

● ہَبّار بن اسود وہ شخص تھا، جس نے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کو ہجرت

---

(۱) بخاری، کتاب الاستسقاء، حدیث نمبر: ۹۷۴۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۶۳۸۔

(۳) مسلم، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۱۸۰۸۔

(۴) مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، حدیث نمبر: ۵۰۵۵۔

کرتے وقت ایسی تکلیف پہنچائی کہ ان کا حمل ساقط ہوگیا، فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد اچانک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں گنہگار اور قصوروار ہوں اور مجھ سے زیادتی ہوئی ہے، پھر اس نے خود ہی 'لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا، آپ ﷺ نے اس کی ایسی زیادتی کو بھی معاف فرمادیا، اس کو کوئی سزا نہیں دی۔(۱)

● اُحد کی لڑائی میں وَحشی بن حَرب نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، حضور ﷺ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت سے بے حد رنج ہوا تھا، آخر وہ حاضر خدمت ہوا اور مسلمان ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کردیا؛ البتہ فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو کہ تمہیں دیکھ کر چچا کا غم تازہ ہوجاتا ہے۔(۲)

● اسلام کے بدترین دشمنوں میں 'صفوان بن اُمیہ' بھی تھے، جن کا شمار اہل مکہ کے قائدین میں تھا، جب مکہ فتح ہوا تو بھاگ کر یمن جارہے تھے، عُمَیر بن وَہَب نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے لئے امن کی درخواست کی، آپ نے نہ صرف اپنے سخت دشمن کے لئے ان کی درخواست قبول فرمائی؛ بلکہ اپنی طرف سے نشانی کے طور پر اپنا عمامہ بھی عنایت فرمایا، یہ جاکر ان کو واپس لائے، صفوان نے آکر حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مجھے معاف کردیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! کہنے لگا؛ لیکن مجھے اسلام قبول کرنے کے لئے دو مہینے کی مہلت دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: دو نہیں، چار ماہ کی مہلت ہے۔(۳)

● عُتبہ مکہ کے ان سرداروں میں تھے، جو اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اس کی بیٹی ہندہ کو یہ عداوت گویا ترکہ میں ملی تھی، غزوۂ اُحد کے موقع سے اس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چباڈالا تھا اور ان کی لاش کی ایسی بے حرمتی کی تھی کہ لاش دیکھی نہ جاتی تھی، فتح مکہ تک آپ ﷺ سے دشمنی میں اس کی کوئی کمی نہیں آئی تھی، فتح مکہ کے بعد چہرہ چھپا کر حاضر خدمت ہوئی، اسلام قبول کیا اور اس وقت بھی آپ سے بعض تیکھے سوالات کئے، آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرمادیا۔(۴)

● ایک سفر کے دوران آپ ایک جگہ درخت سے تلوار لٹکا کر لیٹ گئے، ایک شخص آیا،

---

(۱) المعجم الکبیر: ۱۰۵۱۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۰۷۔

(۳) مؤطا امام مالک، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۳۲۔ (۴) الرحیق المختوم: ۱/۳۹۳۔

اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور حضور سے کہنے لگا: تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ کی آنکھ کھل گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ! یہ کہنا تھا کہ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، آپ ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لی اور دریافت فرمایا: اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے حضور ﷺ کے رحم وکرم کی دہائی دی، اور آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔(۱)

● مدینہ میں ایک گروہ منافقین کا تھا، یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے؛ لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے اور کبھی یہودیوں سے اور کبھی اہل مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا، وہ ایک سفر کے موقع پر مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پیدا کرتے ہوئے کہنے لگا: اب جب ہم لوگ مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ان لوگوں کو نکال باہر کریں گے، جو ذلیل ہیں، اس سے اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی طرف تھا، اس کے صاحبزادے مخلص مسلمان تھے، ان کو اپنے والد کی یہ بات بہت ناگوار گذری؛ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ کے پاس پہنچا، تو وہ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اپنے والد سے کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے ان کا راستہ روکے ہوئے ہیں تو آپ نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ انھیں مدینہ آنے دو۔(۲)

جب عبد اللہ بن اُبی کا انتقال ہوا تو باوجودیکہ وہ مسلمان نہیں تھے؛ لیکن ان کے صاحبزادے کی خواہش پر آپ ﷺ نے ان کے کفن کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا۔(۳)

● ایک یہودی عورت نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا، آپ ﷺ بکرے کا گوشت اور اس میں بھی دست کا حصہ زیادہ پسند فرماتے تھے، اس نے اس میں خوب اچھی طرح زہر ملا دیا، آپ نے جیسے ہی منھ میں لقمہ رکھا، اندازہ ہو گیا، اس کی تکلیف کا اثر آپ کو وفات تک رہا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے کہا: میں نے سوچا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو اللہ آپ کو بچا لے گا، اللہ آپ کو مطلع کر دے گا، اور اگر آپ نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا تو

---

(۱) مسلم، کتاب المسافرین، حدیث نمبر: ۸۴۳۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۲/۲۹۰۔

(۳) بخاری، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۱۰۔

لوگوں کو آپ سے نجات مل جائے گی، رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا؛ لیکن آپ کے ایک اور ساتھی بھی اس کھانے میں شریک تھے، جن کی اسی زہر کی وجہ سے موت ہوگئی تھی، ان کے قصاص کے طور پر وہ عورت قتل کی گئی؛ کیوں کہ قصاص معاف کرنے اور نہ کرنے کا تعلق اصل مقتول کے وارث سے ہوتا ہے، کوئی اور شخص اسے معاف نہیں کر سکتا۔(۱)

● صفوان بن اُمیہ کے اُکسانے پر عمیر بن وہب ایک سازش کے تحت آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے مدینہ آیا، وہ اس حال میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ تلوار اپنی گردن میں لٹکائے ہوا تھا، بظاہر عقیدت وارادت کے ساتھ آیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے کچھ اور سبب بتایا، پھر آپ ﷺ نے اس کی سچائی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم نے فلاں کے ساتھ مل کر سازش نہیں کی اور کیا تم فلاں نیت سے نہیں آئے ہو؟ آخر اسے اقرار واعتراف کرنا ہی پڑا، وہ اس وقت آپ کے قابو میں تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔(۱)

● غزوۂ بدر کے موقع پر سہیل بن عمرو گرفتار ہوا، وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی بڑی بدگوئی کیا کرتا تھا اور تقریر کرنے میں ماہر تھا، آپ نے جب ان کو رہا کرنے کے لئے فرمایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: سہیل کے اگلے دونوں دانت نکال دیئے جائیں؛ تا کہ آئندہ پھر وہ کبھی آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس کا مُثلہ نہیں کروں گا، کہیں اللہ تعالیٰ میرا مُثلہ نہ فرما دیں؛ حالاں کہ میں نبی ہوں، (۳) 'مُثلہ' اعضاء کے کاٹ دینے کو کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کے عفو و درگذر کے کتنے ہی واقعات ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو مستقل کتاب ہو جائے، یہی آپ ﷺ کا نمایاں وصف تھا؛ لیکن اس سلسلہ کا سب سے بڑا واقعہ فتح مکہ کے موقع پر دی جانے والی عام معافی ہے، غور کیجئے کہ اہل مکہ نے کونسی تکلیف تھی، جو آپ ﷺ کو اور آپ کے رفقاء کو نہیں پہنچائی تھی؟ کمزور مسلمانوں کو قتل کیا، انھیں آگ پر لٹایا گیا، ریت پر گھسیٹا گیا، آگ جلا کر دھواں دیا گیا، کوڑے لگائے گئے، بائیکاٹ کر کے پورے قبیلہ بنو ہاشم و بنو مطلب

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۱۲۔

(۲) سیرت ابن ہشام: ۱/۶۶۱۔

(۳) کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۷۱۳۷۔

کو فاقہ پر مجبور کیا گیا اور خود آپ کو کیا کچھ تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں، پاگل اور جادوگر کہا گیا، آپ ﷺ پر کچڑا پھینکا گیا، پتھر برسائے گئے، صاحبزادیوں کو طلاق دلوائی گئی، صاحبزادی پر ایسا حملہ کیا گیا کہ حمل ساقط ہو گیا، عین صحن کعبہ میں پھانسی دینے کی کوشش کی گئی، قتل کی سازشیں کی گئی، مجبور ہو کر آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا، پھر مدینہ میں بھی مسلسل مسلمانوں پر جنگ تھوپی گئی، محبوب چچا کا کلیجہ چبایا گیا، خود آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور خون کا فوارہ بہنے لگا، غرض اذیت رسانی کی کوئی ایسی صورت نہیں تھی، جو اختیار نہیں کی گئی۔

آج یہ سب مجرمین نظروں کے سامنے تھے اور قابو میں تھے، دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، وہ آپ کے ایک ایک حکم کو بجالانے کے لئے بے قرار تھا؛ لیکن آپ نے ان پر ایک غضبناک نظر بھی نہیں ڈالی، ان کی شرمناک اور ظالمانہ حرکتوں کا ذکر بھی زبان مبارک پر نہیں آیا، صرف دریافت فرمایا: تم آج مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کی اولاد ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج تم سے وہی کہتا ہوں، جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: ''انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم'' کہ تم آزاد ہو، تم پر کوئی پکڑ نہیں، گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا حوالہ دے کر آپ ﷺ نے اس بات کی طرف لطیف اشارہ فرمادیا کہ اگرچہ عداوت ودشمنی نے تمہارے اندر اُخوت وقرابت کے احساس کو مردہ کردیا؛ لیکن میں تم کو پہلے بھی اپنا بھائی سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہوں —— کیا تاریخ عالم میں ایک طاقتور فاتح کی اپنے مفتوحین کے ساتھ حسن سلوک کی ایسی کوئی اور مثال بھی ملے گی؟؟

جہاد میں بھی رحمدلی

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کافروں سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے؛ لیکن یہ صحیح تعبیر نہیں ہے، جہاد کے معنی کوشش اور جدوجہد کرنے کے ہیں؛ اسی لئے جہاد زبان سے بھی ہوتا ہے، قلم سے بھی اور مال سے بھی، اور اس کی ایک آخری شکل تلوار سے جہاد کرنے کی بھی ہے؛ لیکن تلوار سے جہاد کافروں سے نہیں ظالموں سے ہے، اگر کوئی مسلمان گروہ آمادۂ ظلم ہو تو اس سے بھی جہاد کیا جائے گا، عہد صحابہ میں بھی ایسی مثال موجود ہے کہ مسلمانوں نے خود مسلمانوں سے

جہاد کیا ہے؛ اس لئے کہ وہ دوسرے فریق کو ظالم تصور کرتے تھے، قرآن مجید نے بطور اُصول جو بات بیان کی ہے، وہ یہ ہے :

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ (۱)

اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو، جو تم سے جنگ کرتے ہوں اور زیادتی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ۔

یعنی ان لوگوں سے جہاد کی اجازت دی گئی ہے، جو مسلمانوں سے آمادۂ جنگ ہوں؛ لیکن جب جنگ کرنے کا جواز ہو تو اس موقع پر بھی آپ ﷺ نے کچھ اخلاقی حدود بتائے اور اس کی رعایت کرنے کو لازم ٹھہرایا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا :

لا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً صغيراً ولا إمرأة ۔ (۲)

کسی بوڑھے ضعیف شخص کو یا چھوٹے بچے کو یا عورت کو قتل نہ کرو۔

ایک موقع پر اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو آپ ﷺ نے ہدایت دی: ''لا تقتلن امراة ولا عسيفاً'' (۳) ''عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو'' ایک موقع پر فرمایا: ''لا تقتلوا أصحاب الصوامع'' (۴) غیر مسلم عبادت گاہوں کے متعلقین کو قتل نہ کرو، گویا مذہبی شخصیتوں کو بھی جنگ میں قتل سے مستثنیٰ رکھا گیا، آپ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی زخمی شخص پر حملہ کیا جائے، جنگ میں جو شخص بھاگ رہا ہو، اس کا پیچھا کیا جائے، جو فوجی قید میں آ گیا ہو، اس کو قتل کیا جائے اور جو اپنے گھر کے دروازہ کو بند کر لے، اس پر حملہ کیا جائے :

لا تجهزن على جريح ولا يتبعن مدبر ولا يقتلن اسير ولا من اغلق بابه فهو آمن ۔ (۵)

---

(۱) البقرۃ:۱۹۰۔

(۲) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۱۴۔

(۳) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۶۹۔

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب السیر، حدیث نمبر: ۱۷۹۳۳۔

(۵) فتوح البلدان: ۴۷۔

کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور نہ اس کو جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ (سب) امان میں ہیں۔

آپ ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی کو آگ کی سزا دی جائے: ''لا ینبغی أن یعذب بالنار إلا رب النار''(۱) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر آتشیں اسلحہ کا استعمال جائز نہیں، عرب کے لوگ جب غلبہ حاصل کرتے تھے تو اپنے دشمن کو نہ صرف قتل کرتے تھے؛ بلکہ ان کی لاش کا مثلہ بھی کر دیتے تھے، یعنی ان کے اعضا کاٹ دیتے تھے، آپ نے اس سے منع فرمایا: ''نھی النبی صلی اللہ علیه وسلم من النھبی والمثلة''(۲) ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اگر دشمن پکڑ میں آجاتا تھا تو اس کو تکلیف دے دے کر قتل کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس طرح باندھ کر مارنے سے منع فرمایا: ''نھی عن قتل الصبر''۔(۳)

غرض کہ اولاً تو آپ ﷺ امن وسلامتی کو پسند کرتے تھے، جنگ سے بچنا چاہتے تھے؛ لیکن اگر مخالفین کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے کہ جنگ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوتب بھی آپ ﷺ نے جنگ کے مہذب اُصول مقرر فرمائے اور بہت سے غیر انسانی طریقوں —— جو اس وقت عربوں میں یا ان کے پڑوسی ملکوں میں مروج تھے —— کو ختم کیا۔

● ● ●

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۷۷۔

(۲) بخاری، کتاب المظالم، باب النہی بغیر اذن صاحبہ، حدیث نمبر: ۲۳۴۲۔

(۳) ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۶۸۹۔